خطبۂ صدارت

نواب کمال یار جنگ بہادر

جو

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل

کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ

کلکتہ میں

بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء پڑھا گیا

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

عطیۂ عرشی زادہ

معزز حاضرین۔

میں اُس اعزاز کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے اس عظیم الشان مسلم ادارہ کی صدارت کیلئے مجھکو مدعو کر کے عطا کیا ہے اور میں اپنے آقائے ولی نعمت اعلیحضرت خسرو دکن و برار کے لئے اپنے دل میں عمیق جذبات شکرگزاری محسوس کرتا ہوں کہ حضرت جہاں پناہ اپنے اِس غلام کو آپ کی دعوت قبول کرنیکی اجازت عطا فرمائی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے آپ کی دعوت کو ایک فرض سمجھ کر قبول کیا ہے اور مجھے اعتراف ہیکہ میں نے ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ اصول فن تعلیم سے میں بے بہرہ ہوں اور اُن ممتاز ماہرین تعلیم کی رہنمائی کے لئے جو اس وقت یہاں جمع ہیں میں نہیں مشکل موزوں ہو سکتا ہوں خاص کر ایسے زمانہ میں جبکہ دنیا ایک

ہولناک انتشار کی حالت میں ہے اور جبکہ وہ نصب العین جس کو ہم عزیز رکھتے تھے ایک غیر معمولی کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے۔ پس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ازراہِ کرم میری کوتاہیوں کو نظر انداز فرمائیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے کہا ہے میں اُصول فنِ تعلیم سے بے بہرہ ہوں اور اپنے خیالات کو کسی ایسے مخصوص نظریۂ تعلیم کی روشنی میں پیش نہیں کر سکتا جو ماہرین تعلیم کے لئے قابلِ قبول ہو سکیں۔ ایک شہری کی حیثیت سے میں تعلیم کو اس نظر سے دیکھتا ہوں کہ یہ ایک تیاری ہے کشمکشِ حیات کے لئے، ایسی کشمکش جو کسی مقصد عظیم کے تحت جاری رہتی ہے اور رہنی چاہیئے۔ اِس نقطۂ نظر سے تعلیم ایک ذریعہ ہے زندگی اور باعزت زندگی بسر کرنے کی قوت حاصل کرنے کا۔ اور جہاں تعلیم ایسی قوت عطا نہیں کرتی میں اُس کو اپنے مستقل مفادات کے لئے مضر سمجھتا ہوں اور وہ میری دلی مخالفت کی مستحق ہے۔ حاضرین میں چاہتا ہوں کہ یہی نقطۂ نظر آپ اپنے بچوں کی تعلیم سے متعلق اِس وقت اختیار کریں۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے قابلِ یادگار تاریخی دور میں مسلمانان ہند کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اسکے بانی اعظم سرسید احمد خان اور اُن کے جانشینوں کی یاد تازہ رکھتے ہیں جنہوں نے اِس اِدارہ کے ذریعہ مسلمانان ہند کے ذہن میں اِس امر کا ایک بڑھتا ہوا شعور پیدا کیا کہ انہیں اِس ملک کی ترقی میں کیا حصہ لیا ہے۔ لیکن اَب اِس اِدارہ کو گزشتہ قائدین سے زیادہ ایک عظیم تر ذمہ داری ہے

عہدہ برآ ہوتا ہے۔ قانون حکومتِ ہند بابتہ ۱۹۳۵ء نے برطانوی ہند کے صوبجات میں خود مختاری نافذ کردی ہے جس سے ابنائے وطن کو اپنی تعلیمی پالیسی تشکیل دینے کا حق حاصل ہوگیا ہے۔ قانون مذکور کا وفاقی جزو ابھی رُوبہ عمل نہیں آیا لیکن مستقبل قریب میں مرکزی حکومت میں کوئی نہ کوئی تغیر ناگزیر ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس قانون میں ترمیم ہو جائے یا یہ سارا قانون مسترد ہوکر کوئی نیا قانون تشکیل پاجائے جو ملک کو آزادی کی منزل کیطرف ایک قدم آگے لے جائے اور عوام الناس کو اپنی پالیسی تشکیل دینکے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہوجائیں۔ ایسے عظیم الشان تغیر کے موقع پر وہ کونسی چیز ہے جو آپ کے لئے جاذب توجہ ہو۔

گزشتہ ڈھائی سال کے واقعات کی رفتار نے یہ ظاہر کردیا ہے کہ صوبہ واری مجالس مقننہ میں ایک واحد مذہبی فرقہ ایک اکثریتی جماعت تشکیل دیسکتا ہے اور اگر وہ ٹھان لے تو اپنی تہذیب کو جو اسکے مذہب کی آفریدہ ہے سارے صوبہ میں پھیلا سکتا ہے۔ ایسے حالات میں اقلیت خسارہ میں رہتی ہے جیسا کہ مسلم جماعت رہی ہے۔ کیا آئندہ تغیرات میں ایسے حالات کو دہرانیکی اجازت دینگے۔ یا آپ عملی آدمیوں کی طرح اپنا تعلیمی لائحہ عمل قبل از قبل مرتب کرکے اپنے تعلیمی نصب العین کو متعین کردینگے اور اس بات پر اصرار کرینگے کہ آئندہ نظام میں اِس نصب العین کا دستوری حیثیت سے تحفظ کیا جائے۔

میں اس امر سے بخوبی واقف ہوں کہ مسلمان ایک جماعت کی حیثیت سے اُن تعلیمی اسکیموں سے مطمئن نہیں ہیں جو مختلف گوشوں سے پیش ہوتی رہی ہیں، یہاں

کسی خاص اسکیم کا ذکر کرنا ضروری نہیں لیکن ایک چیز کے متعلق مجھے یقین ہے کہ مستقبل میں کوئی نظام تعلیم قابل قبول نہ ہوگا جو ہم میں ایسے ذہنی، رُوحانی، اور اَخلاقی صفات نمو دینے سے قاصر رہے جن کی وجہ سے ہم اِسلامی روح اور تہذیب کے محافظ بن سکتے ہیں وہ اِسلام جو نوعِ اِنسان کی ترقی کے لئے اپنا ایک پیام رکھتا ہے۔

جیساکہ ہر مسلمان جانتا ہے اِسلام محض ایک جذبہ کا نام نہیں اور نہ یہ ایک ایسی مجرد خصوصیت ہے جو کسی فرد کی خانگی زندگی تک محدود رہے۔ یہ درحقیقت اِجتماعی زندگی کا ایک طریقہ ہے اور اُس کو ہر نظام تعلیم میں جگہ ملنی چاہئیے جو ہمارے بچوں کے لئے مرتب کیا جائے۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف کے الفاظ میں۔

"اِسلام کا مقصد ایک ایسا اِجتماعی نظام قائم کرنا ہے جو زندگی کے دو بنیادی حقائق پر زور دیتا ہو۔ ایک جس کو میں حرکت حیات کے نام سے تعبیر کرتا ہوں اور دوسرا وحدتِ حیات اور یہ دونوں ایک ایسے لائحۂ عمل کی طرف اِشارہ کرتے ہیں جس کو "شریعت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ اس "شریعت" کو "قانون" اِسلام بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِس قانون اور اس لائحۂ عمل کے حدود کے اندر ایک مسلمان کو زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ یہ حدود درحقیقت

تنگ نہیں ہیں جیساکہ وہ ہماری موجودہ جہالت اور انحطاط کی حالت
میں نظر آتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں واقعات کی رفتار نے بار بار
ثابت کردیا ہے کہ جس حد تک زندگی کے یہ دو بنیادی حقائق حرکت
و وحدت پیش نظر رکھے گئے اُس حد تک شریعت اسلام نے اپنے
پیروؤں میں زندگی اور قوت پیدا کرتی رہی"

پس یہ اَمر پیش نظر رہے کہ جس قسم کا تعلیمی نظام بھی آپ اپنے بچوں کیلئے مرتب کریں اس کو زندگی کے اُن عظیم الشان حقائق کے مطابق ہونا چاہیئے جس کا اسلام علمبردار رہا ہے۔ اگر ہمارے بچوں کی تعلیم میں اُن حقائق تک پہونچنے کے لئے راستے مسدود کردیئے گئے تو ظاہر ہے کہ ایسی تعلیم بے ثمر ثابت ہوگی۔

گاندھی جی ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء کے ہریجن میں کہتے ہیں کہ "آج انسان کی سرگرمیوں کا سارا دائرہ ایک ناقابل تقسیم کل ہے۔ آپ سماجی، معاشی، سیاسی اور خالص مذہبی سرگرمیوں کو الگ الگ دائروں میں محدود نہیں کرسکتے۔ انسانی جدوجہد سے علیحدہ مجھے کوئی مذہب نظر نہیں آتا۔ مذہب تمام سرگرمیوں کیلئے ایک اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے اس کے بغیر زندگی ایک شور و غوغا بنکر رہ جاتی ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم میں ایک تہذیبی پس منظر کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ اسلام نے جس تہذیب کو نمو دیا ہے وہ تہذیب رواداری وحدت اور سائنس پر مبنی ہے اور اگر آج مسلمان اپنے اس

ورثہ کو حاصل کرنے کے لئے ستردیں تاکہ وہ اپنی مادرِ وطن کی زیادہ خدمت کرسکیں تو ایسی روش میں کونسی چیز ہے جو مخالفت کو اُبھار سکتی ہے؟

میری رائے میں اِس کانفرنس کو چاہیئے کہ اِس امر کے متعلق کہ اُن حالات کے مدنظر جن میں ہم اِس ملک میں گھرے ہوئے ہیں ہمارے بچوں کے لئے کس قسم کی تعلیم موزوں ہوگی۔ اپنے خیالات فوراً مرتب کرے۔

ہر نظام تعلیم میں جو مسلمانوں کے لئے تشکیل دیا جائے دو ابتدائی مقاصد پیش نظر رہنے چاہیئے۔

(۱) اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات کا تحفظ۔

(۲) اسلامی نظام اجتماعی کا استحکام۔

متذکرۂ صدر مقاصد کے حصول کے لئے ایک نظام تعلیم تشکیل دینے کا کام ماہرینِ تعلیم کی ایک جماعت کے سپرد کیا جانا چاہیئے۔ مثلاً تین اَرکان کی ایک مختصر کمیٹی جس کا یہ فرض ہوگا کہ ملک کے مختلف حصوں کا دَورہ کرے ہر مرکز پر مقامی ماہرینِ تعلیم و معاشیات سے مشورہ کرے اور اپنی رائے پیش کرے۔ اِس کمیٹی کا کام یہ بتلانا بھی ہوگا کہ کسی حد تک اور کن خاص مضامین میں مسلم اور غیر مسلم طلباء کے لئے ایک مشترکہ نصاب تیار کیا جا سکتا ہے اور کن مضامین میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ اور مستقل انتظام ضروری ہوگا۔ اِس امر کے متعلق رائے دینا بھی اِس کمیٹی کا فرض ہوگا کہ ایسے جداگانہ

انتظام کو اطمینان بخش طریقہ پر روبہ عمل لانے کے لئے آئینی تحفظ کس حد تک ضروری ہوگا۔

حاضرین! ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ خالص تعلیمی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر آپ اِس مسئلہ پر مسلمانوں کی موجودہ زندگی کے پس منظر میں غور کریں تو یہ مسئلہ بجائے تعلیمی یا سیاسی ہونے کے زیادہ تر معاشی نظر آئیگا کیونکہ وہ تعلیم ناقص ہے جو ہم میں سے فلاکت زدہ افراد کی معاشی ترقی میں معاون ثابت نہ ہو۔ پس یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے معاشی ذرائع کے استحکام اور ہماری خیرات اور اوقاف کے مسئلہ پر توجہ کریں تاکہ اُن کو عامتہ المسلمین کی فلاح و بہبود کے لئے کام میں لایا جا سکے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ذرائع نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ آپ ملک کے مختلف حصوں میں مختلف اوقاف پائینگے جو قانون بیت المال کی غلط تعبیر کی وجہ سے یا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں یا اُن کو حکومت نے ضبط کر لیا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی یہ اوقاف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں اُن کو دانشمندی سے استعمال نہیں کیا جا رہا ہے۔ اِس کے علاوہ زکوٰۃ کو ہم نے بری طرح فراموش کر دیا ہے۔ یہ ایک اولین فرض ہے جو اسلام اُمرا پر عائد کرتا ہے تاکہ وہ غرباء کے ساتھ زندگی کے فوائد میں شریک رہیں اور احساس اتحاد و مساوات کا ثبوت دیں۔ اگر ہم اسلام کے اس بنیادی حکم کے مطابق عمل کر سکیں تو مسلم عوام کی تعلیمی و معاشی سدھار کے اسکیموں کو کامیابی

کے ساتھ چلانے کا مسئلہ بہت آسانی سے حل ہو جائیگا۔ اس سلسلہ میں میں آپ کی مخلصانہ غور و فکر کے لئے اس اسکیم کا ذکر کرتا ہوں جو مسلم کلچر سوسائٹی حیدرآباد نے بیت المال کے عظیم الشان ادارہ کے احیاء کے لئے مرتب کی ہے۔ اگر یہ رو بہ عمل آجائے تو ہم اس ملک میں ایک آزاد اور باعزت زندگی بسر کر سکتے ہیں

حاضرین۔ میں نے عمداً ان موضوعات کا ذکر کرنے سے گریز کیا ہے جو ہر سال آپ کی کانفرنس میں بحث و تمحیص کے لئے پیش ہوتے ہیں۔ میں نے صرف ایک اہم ترین مسئلہ پر اپنی توجہ مرکز کی ہے یعنے ایک ایسی جامع تعلیمی اسکیم کا مرتب کرنا جو نسبتہً چھوٹے چھوٹے مسائل کی بھی حاوی ہو۔ اب تک ہم نے ان اسکیموں سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جو دوسروں نے مرتب کر کے ہمارے سر تھوپا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم خود اپنی ایک اسکیم تیار کرنے کی کوشش کریں اور یہ دیکھیں کہ ایسی اسکیم ملک کے تعلیمی نظام سے کس طرح ہم ربط و مطابقت پیدا کر سکتی ہے۔ ایک تحقیقاتی کمیٹی کی تشکیل کے لئے جو میں نے تجویز کی ہے یقیناً کچھ مصارف ناگزیر ہیں اور اگر آپ اجازت دیں تو میں بخوشی یہ مصارف برداشت کرونگا۔ بقیہ امور میں میری دعا ہے کہ آپ کے غور و فکر میں فضل الٰہی شریک رہے۔

عطیہ عرشی زادہ